اُردو کی جدید شاعری اور اقبال

از جناب مولوی رفعت احمد خاں صاحب ایم اے لکچرار گورنمنٹ کالج الموڑہ

خالق عالم نے نظام کائنات کو عجیب کمال سے ہم آغوش کیا ہے۔ جہاں فطرت کی مختلف کیفیات، قدرت کی دلفریبیاں، مظاہر و آثار کی دلچسپیاں اور موجودات کے گوناگوں سوانح اور بوقلموں واردات انسان کے محسوسات میں تحریک اور ہیجان کے باعث ہوتے ہیں۔ وہ ان موجودات کی حسن وخوبی سے متاثر ہوتا ہے اور مختلف واردات وواقعات سے اس کے قلب میں طرح طرح کے جذبات پیدا ہوتے ہیں جن کے سچے اظہار سے شعر کی تخلیق اور اس کے حسن وقبح کی تصدیق ہوتی ہے۔ دراصل انسان اپنے تاثرات کو متخیلہ کی مدد سے علم یا فن کی صورت میں ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ جن کے لئے وہ ان فطری اور ذہنی قوتوں کا محتاج ہے، جو خالق حقیقی نے اس کو ودیعت کی ہیں۔ فنون لطیفہ کا مذاق بھی ان ہی میں سے ایک قدرتی عطیہ ہے۔ شاعری بہ نسبت دیگر فنون جمیلہ کے ذہنی اور خارجی واردات اور نفس انسانی کی گہری اور بوقلموں کیفیات کی زیادہ صحیح تصویر پیش کر سکتی ہے۔ اسی وجہ سے ان سب پر فوقیت رکھتی ہے۔

شعر کی اہمیت اور شاعر کا پیغام

شاعر کی انقلاب انگیز قوت کا اندازہ تاریخی شواہد سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ جس وقت عربی شاعری اپنے فطری رنگ میں جلوہ گر اور سادگی اور بے ساختگی سے ہمکنار تھی اس وقت ایک بڑی حد تک شعراء بھی ملک پر حکومت کرتے تھے۔ قوم کے سیاسی نظام۔ تمدنی اور اخلاقی اصلاح اور علم وفن کی ترقی کے وہی باعث تھے۔ شعر ایک حیرت انگیز قوت کے مرادف تھا، اور شاعر کا احترام ایک حکمراں سے ہرگز کم نہ تھا۔ انگریزی شاعری میں بھی ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ چنانچہ شیلی (SHELLEY) کے فلسفۂ حیات اور سیاسی خیالات نے ملک میں ہلچل مچادی تھی۔ ورڈس ورتھ (WORDSWORTY) نے اپنے ہم وطنوں کی مادہ پرستی کی مذمت کر کے ان

کو قدرت کے دلکش اور سبق آموز مناظر کی جانب مائل کیا۔ براؤننگ (BROWNING) کی نظموں نے سیاسی دنیا میں تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ ایرانی شاعری بھی اس عملی قوت سے بالکل خالی نہیں کہی جا سکتی۔ شیخ سعدی، خواجہ حافظؒ مولانا رومؒ اور دیگر شعراء نے دنیا کو جو درس اخلاق و تصوف دیا ہے، محتاج بیان نہیں۔ شاعری کی عملی قوت کے اثرات کو صرف جنگ و پیکار کے آئینہ میں دیکھنا غلطی ہے۔ البتہ اردو شاعری اس اثر و قوت سے مدتوں محروم رہی۔ قصائد کاسۂ گدائی بن گئے اور غزل ایک معجون مرکب ہو کر رہ گئی۔ نہ حدود تغزل متعین رہیں۔ نہ نوعیت مضامین، نہ جذبات کی اصلی ترجمانی باقی رہی، نہ محسوسات کی تصویر۔ رفتہ رفتہ تصنع اور تکلف نے سادگی اور صداقت کی جگہ لے لی۔ اردو کی جدید شاعری میں اقبال کی یہ امتیازی خصوصیت ہے کہ انہوں نے صرف غزل میں منتشر خیالات نظم کرنے کے بجائے اپنی شاعری کے ذریعہ ایک خوابیدہ ملت کو بیدار کیا، اور فلسفۂ خودی سمجھا کر درس عمل دیا، ان کی شاعری دراصل ''پیغام عمل'' کے مرادف ہے، جس کا درس بھی وہ عین فطری اور نفسیاتی طریقہ پر بتدریج دیتے ہیں۔ ذیل کے اشعار سے ان کے فلسفیانہ پیام کے مدارج اور تدریجی تعلیم کا اجمالاً اندازہ ہو سکتا ہے۔

ملت خوابیدہ کا شکوہ

اڑتی پھرتی ہیں ہزاروں بلبلیں گلزار میں		دل میں کیا آئی کہ پابند نشیمن ہو گئیں
اب تلک شاہد ہے جس پر کوہ فاراں کا سکوت		اے تغافل پیشہ تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے

پیام بیداری اور فلسفۂ خودی

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو		قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہوں تسخیر بے تیغ و تفنگ		تو اگر دیکھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

تلقین عمل اور سعی و جستجو

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کر دے		چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

یقین کامل عمل پیہم، محبت فاتح عالم جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں
پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود پھر جبیں خاک حرم سے آشنا ہو جائے گی
شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

اقبال کا یہ تمام فلسفہ ان ہی اسلامی تعلیمات کو شاعرانہ پیرائے میں پیش کرتا ہے جو ہمیں قرآن کریم اور احادیث پاک سے حاصل ہوئی ہیں اور جن کی تفصیل اقبال کے فلسفہ حیات پر تفصیلی تنقید کے ضمن میں شاید ناظرین آئندہ ملاحظہ کریں۔ جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ شاعر نے اسلامی فلسفہ عمل کو کس خوش اسلوبی سے پیش کیا ہے۔

علاوہ پیغام عمل دینے کے جدید فلسفیانہ خیالات بھی اس کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن سب فلسفہ اسلام کے تابع ہیں۔ جس سے شاعر کے جذبہ ملی اور محبت اسلام کا ثبوت ملتا ہے۔ مثلاً اخوت وہمدردی کی تعلیم اس طریقہ پر دیتے ہیں۔

شاہد قدرت کا آئینہ ہو دل میرا نہ ہو
سر میں جز ہمدردیٔ انساں کوئی سودا نہ ہو

یہ بھی ایک حدیث شریف کے مضمون کی ترجمانی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ انسانوں میں بہتر شخص وہ ہے جو دوسرے انسانوں کو فائدہ پہنچائے۔ ایک دوسری جگہ اقبال نے کہا ہے:

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اردو کی جدید شاعری اور تجدید رومانیت

اردو کی دکنی یا ابتدائی شاعری اپنے سادہ طرز اور جذبات نگاری میں ایک حیثیت سے یوروپ کے قرون وسطیٰ کی شاعری سے مشابہ ہے۔ اس سادگی اور فطری جذبات نگاری کے نمونے "اردو شہ پارے" (مصنفہ ڈاکٹر محی الدین زور) میں بکثرت ملیں گے۔ جس طرح عرب کی شاعری اپنی فطری بے تکلفی اور سادگی کو خیر باد کہہ کر ایک عرصہ تک صرف مدحیہ قصائد پر مبنی رہ گئی تھی اور فارسی شاعری بھی اسی انحطاط پذیر دور کی تقلید کے باعث عرصہ تک تصنیفات ہی میں الجھی رہی۔ اسی طرح شمالی ہند میں اردو شاعری بھی پہلے دور کے بعد ہی

ظاہری تکلفات کا ہدف بن کر رہ گئی۔ یہ طرز شاعری انگریزی شاعری کے کلاسیت (CLASSICISM) کے رنگ سے مشابہ ہے۔ وہاں اگر پوپ (POPE) اور چاسر (CHAUCER) اس طرز کے علمبردار ہیں تو یہاں ناسخ لکھنوی اور ان کے ہمرنگ شعراء کا مرتبہ ان سے ہرگز کم نہیں۔ جس طرح انگریزی شاعری میں اس تصنع آمیز دور کے بعد قرون وسطیٰ کے طرز شاعری کی تجدید کا زمانہ گرے (GRAY) سے شروع ہوتا ہے اور بعد کو بائرن (BYRON) ورڈس ورتھ (WORDSWORTH) شیلی (SHELLY) اور کیٹس (KEATS) وغیرہ اس نئے طرز رومانیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح اردو شاعری میں بھی یہ تغیر رونما ہوا۔ غدر کے قبل ہی نظیر اکبر آبادی نے اپنے کلام اور غالب نے اپنے خطوط میں فطری سادگی اور یہ رومانی اسپرٹ (ROMANTIC SPIRIT) اختیار کی۔ اور بعد ازاں انیس، دبیر، حالی، آزاد، شبلی، مولوی محمد اسمٰعیل، اکبرالہ آبادی اور ڈاکٹر اقبال وغیرہ نے اردو شاعری کے چہرہ سے ظاہری تصنعات اور دوراز کار تشبیہات وغیرہ کے بدنما دھبے دور کئے۔ حالی کا مقدمہ شعر و شاعری'' اس سلسلہ میں قابل ذکر ولائق مطالعہ ہے۔ انگریزی شاعری میں اس رومانی طرز نے اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخری حصہ میں ترقی کی لیکن ہندوستان میں تحریک تقریباً ایک صدی بعد رونمائی ہوئی۔ اس تحریک کے بعد رفتہ رفتہ انگریزی حکومت انگریزی طریقہ تعلیم اور تہذیب وتمدن اور دیگر اسباب کے باعث اردو شاعری مغربی اثرات قبول کرتی رہی۔ اقبال نے دیگر ''خودرو'' شاعروں کی طرح اس کی کورانہ تقلید نہیں کی۔ بلکہ اعتدال اور ضرورت کے مطابق اس رنگ کو اختیار کیا اور اس کی تہ میں اپنے ''پیام مشرق'' ''اسرار خودی'' اور جذبہ اسلامی کے بیش بہا موتیوں کو نمایاں رکھا۔ جن کے تابناک لمعات سے چشم مغرب خیرہ ہوئی۔ انگریزی کا مشہور شاعر براؤننگ (BROWNING) کا فلسفہ سعی و عمل اقبال کے مکمل فلسفہ حیات کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اقبال کا دل حقیقتاً ''سراپا ذوق استفسار'' ''صورت سیماب بیقرار'' ''زخمی شمشیر ذوق جستجو'' اور ''مجروح تیغ آرزو'' ہے۔ ان کے نزدیک زندگی اضطراب کا نام ہے ''زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے'' وہ متشائم نظریۂ حیات کو پسند نہیں کرتے، شوپنہار کے فلسفہ یاس وقنوط کے مخالف ہیں۔ اور اسلامی فلسفہ حیات کے حامل ہیں۔

یاس کے عنصر سے ہے آزاد میرا روزگار
فتح کامل کی خبر دیتا ہے جوش کارزار

اپنے فلسفیانہ تخیلات میں بھی وہ صرف اسلامی فلسفہ ہی کو حقیقی اور فطری خیال کرتے ہیں اور یونان کے حکماء کے گوسفندانہ خیالات اور یورپ کے دیگر فلسفہ داں مثلاً برگسان اور نیٹشے کے حقیقت ناآشنا نظریات کو باطل جانتے ہیں۔ یہ ان کے علوخیال اور اسلامی فلسفہ سے دلچسپی کی بین دلیل ہے جس میں ابتہاج و مسرت اور امید درجائیت کے ہمت افزا تخیلات ہر جگہ نمایاں ہیں۔

جدید اثرات

اردو شاعری میں تجدید رومانیت کے ساتھ ساتھ جو تغیرات رونما ہوئے اقبال کی شاعری ان خصوصیات کو عجیب دلکش پیرایہ میں پیش کرتی ہے۔ اقبال کی شاعری اپنے عہد کے معاشرتی، تمدنی اور مذہبی حالات کی آئینہ دار ہے۔ نقد ادب کے جدید اصول کے مطابق ان کی شاعری درحقیقت ''تنقید حیات'' ہے۔ اس وصف کی اردو شاعری میں بہت کمی ہے۔ کیونکہ وہ ایک عرصے تک ''سرگشتہ خمار رسوم وقیود'' رہ چکی ہے۔ اسی سبب سے اس میں مختلف ازمنہ کے معاشرتی حالات نمایاں طور پر ظاہر نہیں ہونے پائے جن سے شاعری کے جذبات کی صداقت پر کافی روشنی پڑسکے۔ اقبال کے عہد میں سیاسی تحریکات، معاشرتی اصلاحات، قومیت کی ترقی، مذہبیت کا تنزل، مادیت و مغربیت کا عروج، عالمگیر اقتصادی انتشار مساوات و آزادی کا زور، افادیت وحریت کا شعور، اسلامی دنیا کے زوال پذیر واقعات اور دردانگیز حالات اور اسی نوع کے دیگر اثرات نے ان کو بالآخر ایک سچا قومی اور اسلامی شاعر بنادیا۔

نیچرل سادگی کے متعلق ایک غلط فہمی کا ازالہ

سادگی اور صداقت اظہار کے باعث جو رومانیت کا خاص امتیاز ہے اقبال کی شاعری کا سرمایہ ناز ہے۔ اور یہ وصف جو اردو شاعری کے دکنی یا ابتدائی دور میں جلوہ گر ہے عہد حاضر کے دوسرے شعراء کے کلام میں بھی مفقود نہیں۔ دراصل سادگی ایک فطری شے ہے جو تکلیف

سعی و کاوش اور آورد سے کوسوں دور ہے۔ ورنہ تکلیف اور فطری سادگی جو باہم متضاد ہیں مترادف قرار پائیں گے۔ یہ امر بھی ناقدین کی حقیقت شناس نگاہوں سے پوشیدہ نہیں کہ عصر حاضر کے کچھ نام نہاد و شعراء انگریزی ادب کی غلط اور کورانہ تقلید کی وجہ سے غیر شاعرانہ مضامین کو ٹھیٹ دیہاتی الفاظ میں ادا کر کے جدید شاعری کے علمبردار بننا چاہتے ہیں لیکن نتیجہ معلوم! چونکہ یہ ایک دلچسپ موضوع ہے جس کے لئے ایک مبسوط مضمون کی ضرورت ہے اس لئے پھر کبھی اس پر ماضی و حال کی شاعرانہ خصوصیات نمایاں کر کے شرح وبسط کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

رومانیت کی تجدید دراصل قدیم سادگی کی تجدید ہے۔ یورپ میں بخلاف جرمنی اور انگریزی ادیبوں کے فرانسیسی ادیبوں کا یہ خیال تھا کہ تجدید رومانیت دراصل قدرت کے وسیع میدان کی طرف ترغیب کے مرادف ہے۔ اس اعتبار سے اردو شاعری میں اس تحریک کے مجدد فن دراصل نظیر اکبر آبادی ہیں لیکن افسوس! ان کی بے نظیر نظمیں نیچرل سادگی اور ترجمانی قدرت کے باوجود ماحول کی ناموافقت کے باعث قدر کی نگاہوں سے نہ دیکھی گئیں اور اپنی قدر و منزلت کے لئے نوابی عہد کے اختتام اور دور جدید اور خصوصاً انگریزی شاعری کی آمد کی منتظر رہیں۔ اقبال بھی قدرتی شاعری میں اپنی نظموں کو فطرت سے ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں۔

شاعر کا امتیاز

اس میں شک نہیں کہ میر کے رنگ تغزل اور سوز و گداز۔ داغ کی سادگی اور اکبر کی ظرافت کی طرح ہر شاعر کا ایک فطری رنگ ہوتا ہے۔ چنانچہ اقبال کے کلام کی یہ امتیازی خصوصیت اسلامی تعلیم کی ترجمانی میں فلسفہ کی فراوانی ہے۔ یہ فلسفیت ان کے کلام میں ہر جگہ نمایاں ہے۔ اور کسی خاص صنف سخن کی پابند نہیں۔ اس لحاظ سے ان کے اشعار شیلی (SHELLEY) کے نظریہ شعر کے مطابق "متخیلہ کے انکشافات" ہیں جن میں فلسفیانہ سرمستی ہر جگہ جلوہ گر ہے۔

اثر جدید اور ترک غزل گوئی

دور جدید کی دیگر خصوصیات کے ساتھ اقبال نے بھی غزل کے پامال اور فرسودہ میدان کو

ترک کیا، لیکن غزلوں کا جس قدر ذخیرہ بھی موجود ہے وہ فلسفیانہ تخلیات جدید تراکیب اور و تشبیہات اور نشست الفاظ کے باعث غالب کی یاد کو تازہ کرتا ہے۔ بعض غزلوں میں داغ کی سادگی صاف جھلکتی ہے جو داغ کے ساتھ ایک مختصر سے سلسلۂ تملذ کا پتہ دیتی ہے۔ لیکن بہ نسبت داغ کے غالب کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ ان کی غزلوں میں بھی معنی آفرینی، جدت طرازی اور رنگین بیانی ان کو عصر جدید کے دیگر شعراء سے ممتاز کر دیتی ہے۔ اعلیٰ مضامین کے اظہار میں غالب کی طرح ان کی غزلیں جس طرح ترنم ریز ہیں اسی طرح جذبات سے لبریز ہیں۔ کارلائل (CARLYLE) کے نظریۂ شعر کے مطابق ان کے کلام میں موسیقی اور شاعری دوش بدوش ہیں۔ ان کی مختصر غزلیں بھی حسن و حقیقت کی تفسیر اور حیات انسانی کی تنقید ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں کیونکہ اس مختصر مضمون میں شرح وبسط سے تنقید کی گنجائش نہیں ہے۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں
نہ وہ عشق میں رہیں گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں

عشق ہے فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنیٔ پیغام ابھی
کھولی ہیں ذوق دید نے آنکھیں تری اگر
ہر رہ گزر میں نقش کف پائے یار دیکھ
نظارہ کو یہ جنبش مژگاں بھی بار ہے
نرگس کی آنکھ سے تجھے دیکھا کرے کوئی
کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

تامل تو تھا ان کو آنے میں قاصد
مگر یہ بتا طرز انکار کیا تھی؟

جدید تاثرات اور کلام کی خصوصیات

گہوارہ سخن کی اس جدی جنبش کے ساتھ ساتھ اقبال نے بھی غزل کو ترک کیا اور قدرتی، اخلاقی، تاریخی، معاشرتی، قومی اور ملی نظموں کی طرف توجہ کی، اور مسدس اور مثنوی وغیرہ

کے دامن کو اپنے فکر و تخیل کے گوہر ہائے آبدار سے زینت بخشی کیونکہ انہی اصناف سخن میں مسلسل مضامین بآسانی نظم ہو سکتے تھے۔ اور وہ اپنے پیام زریں کو دنیا کے سامنے شرح وبسط کے ساتھ پیش کر سکتے تھے۔ جدید طرز سخن کے علمبردار ہونے کے باوجود انہوں نے انگریزی شاعری کی کورانہ تقلید نہیں کی اور ردیف و قافیہ وغیرہ کو خیر باد کہہ کر صرف پیش پا افتادہ مضامین کو نظم کر کے اپنے کلام کو "بازیچہ اطفال" نہیں بنایا بلکہ مشرق کے وقار و وقعت۔ مذہب اور فلسفیت کو قائم رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی اغرابیت "مغربیت" کی نظر فریب گھٹاؤں میں بھی برق کی طرح چمکتی ہے جس پر امیر مرحوم کا یہ شعر صادق آتا ہے۔

گھٹا میں برق جو چمکی تو یاد آئی امیر　　　ادا کسی کی وہ پردہ اٹھا کے آنے کی

بلاد اسلامیہ کی پرانی عظمت وشان، مغرب کے سفر اور یورپ کے مختصر قیام نے شاعر کے دماغ کو ایک بڑی حد تک متاثر کیا۔ ایک طرف تو وطن کے دیوتاؤں کی پرستش کے بجائے اسلامی اتحاد و مرکزیت کے پرستار اور "جذبہ ملی" کے ترجمان بن گئے اور یورپ کے سطحی فلسفیانہ نظریات، تہذیب و تمدن کے ناگفتہ بہ حالات اور اقتصادی اور سیاسی ہیجان وانتشار دیکھ کر "مغربیت" گہرا اثر ڈالا۔ ایران کی صوفیانہ شاعری نے جو جرمنی میں ان کے مقالہ کا خاص موضوع تھی ان کے مذاق تصوف کو عروج پر پہنچا دیا۔ درحقیقت اقبال کی فلسفیانہ سرمستیوں کا راز ایک بڑی حد تک انہی ایرانی میخانوں کی سیر میں پنہاں ہے۔ جہاں ہزاروں سرخوش پڑے جھوم رہے ہیں۔ جن میں مولانا روم کا اسم گرامی خاص اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ انہی کے مقدس کلام نے نکات تصوف، اسرار خودی اور رموز بے خودی سے اقبال کے شوق آگیں قلب کو مالا مال کیا جن کو اقبال کی صوفیانہ شاعری پر تفصیلی تنقید کرتے وقت دوسرے مضمون میں وضاحت و تحقیق کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس وقت اقبال کے مغربی تاثرات کا ذکر کرنا مقصود ہے۔

(۳) انہی تاثرات کے باعث انہوں نے انگریزی شاعری کے طرز جدید، نیچرل مضامین کو اپنی نظموں کا موضوع بنایا۔ مثال کے طور پر ان کی نظموں کے چند عنوانات لکھے جاتے ہیں جن میں اس قسم کے مضامین بھی ہیں۔ کنار راوی، ہمالہ، کوہسار، ایک شام، موٹر، گل رنگیں، پرندے کی فریاد، وغیرہم۔ انہوں نے کنگھی، چوٹی اور زلف و کاکل کے مضامین اور دیگر لفظی

تصنعات سے اپنے کلام کو محفوظ رکھا۔

(۳) انگریزی طریقہ پر نیچرل مضامین کے انتخاب ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انگریزی نظموں کے ترجمے بھی کئے۔ بطور نمونہ چند کے نام ذیل میں درج ہیں۔

ایک پہاڑ اور گلہری	ماخوذ از ایمرسن	(EMERSON)
ہمدردی	// کوپر	(COSPER)
رخصت اے بزم جہاں	// ایمرسن	(EMERSON)
عشق اور موت	// ٹینی سن	(TENNYSON)
پیام صبح	// لانگ فیلو	(H.W.LONGFELLOW)

(۴) اپنی فارسی مثنویوں یا اردو کی چند نظموں میں جو فلسفۂ مغرب کے جواب یا استرداد میں لکھی گئی ہیں۔ (مثلاً ان کی مثنوی "پیام مشرق" جرمن شاعر گیٹے کے جواب میں لکھی گئی ہے۔) اسلامی فلسفہ کی عظمت اور یورپ کے سطحی تخیل سے نفرت کے جذبات کو عجیب دلنشین پیرایہ میں ادا کیا ہے۔ تطویل مضمون کے خیال سے اشعار نقل نہیں کئے گئے۔ کیونکہ اس موضوع پر بھی ایک جدا مضمون شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

قدرتی شاعری

اقبالؔ اپنی نظموں میں انگریزی طرز پر نئی تخیلی تراکیب اور اسی نوع کی تشبیہات اور استعارات بکثرت استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً قرب فراق آمیز دانۂ خرمن نما، انجمن بے خروش نظارۂ خاموش، ہنگامۂ خاموش وغیرہ ان نئی تراکیب کے ساتھ رنگینیِ تخیل بھی انگلستان کے کسی رومانی شاعر سے خواہ وہ شیلی (SHELLEY) ہو یا ورڈس ورتھ (WORDSWORTH) کم دلکش نہیں ہے۔

چاندنی پھیکی ہے اس نظارۂ خاموش میں صبح صادق سو رہی ہے رات کے آغوش میں

چاندنی کو پھیکا بتلانا، صبح کو رات کے آغوش میں جگہ دینا اور سحر کا عارض رنگین دکھلا کر کلی کے سینۂ زریں کو کھولنا، ورڈس ورتھ کی قدرتی شاعری کی یاد تازہ کرتا ہے۔ بلکہ بعض مقامات پر تو اقبالؔ کا کلام علو تخیل اور رنگینی کے ساتھ فلسفہ کی آمیزش کے باعث اتنا بلند و ارفع ہو گیا ہے کہ ورڈس ورتھ یا کسی دوسرے انگریزی شاعر کے مرغ فکر کی پرواز سے ماوراء ہے۔ یہ

اقبال ہی کا کمال ہے کہ باوجودیکہ انگریزی رومانی طرز کو اختیار کیا، لیکن نہ انگریزی شعراء (مثلاً کیٹس (KEATS) یا اردو میں ان کے کورانہ مقلدین کی سی عریانی مضامین ان کے یہاں پائی جاتی ہے اور نہ نامانوس الفاظ۔ مثال کے طور پر صرف دو نظموں کے چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

ایک شام

فطرت بیہوش ہو گئی ہے آغوش میں شب کے سو گئی ہے
کچھ ایسا سکوت کا فسوں ہے پیکر کا خرام بھی سکون ہے

تنہائی

یہ چاند یہ دشت و دریہ کہسار فطرت ہے عام نسترن زار
رفعت آسمان خاموش خوابیدہ زمیں جہان خاموش
موتی خوش رنگ پیارے پیارے یعنی ترے آنسوؤں کے تارے
کس شے کی تجھے ہوس ہے اے دل قدرت تری ہم نفس ہے اے دل

طرز ادا کی سادگی، تشبیہات کی ندرت، استعارات کی جدت، رنگینی تخیل اور رومانیت کس درجہ ان اشعار سے ظاہر و باہر ہے۔ علاوہ بریں ان سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اقبال اپنی قدرتی شاعری میں بھی کوہ و دریا کے خوشنما مناظر اور دشت و سحر کے دلفریب مظاہر کو ایک عامی کی طرح سطحی نگاہوں سے مشاہدہ نہیں کرتے اور انگریزی شعرا یا اردو میں ان کے کورانہ مقلدین کی طرح صرف ظاہری حسن و خوبی کے فرسودہ بیان پر اکتفا نہیں کرتے۔ اقبال کی شاعرانہ نگاہ میں ایک خاص عمق اور گہرائی ہے۔ جو ان کی حقیقت کو شی کا پتہ دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا تخیل ورڈس ورتھ word wrth یا انگلستان کے دوسرے فطرتی شاعروں کے تخیلات سے زیادہ نازک اور حقیقت سے ہم کنار ہوتا ہے۔ مظاہر و آثار کی خوشنمائیوں کو سبق آموز حقیقت بنا کر انسان کو توحید کا فطری درس دینا قرآن کریم کا خاص طریقہ تعلیم ہے۔ جس کو اقبال نے جا بجا اختیار کرنے کی کوشش کی ہے۔

تردید سرمایہ داری

(۶) اقبال نے عصر جدید کی دیگر تحریکات کے ساتھ وطنیت کی وثنیت اور سرمایہ داری کی

فسوں کاری کے خلاف بھی صدائے احتجاج بلند کی۔ یورپ کی سرمایہ داری اور قومیت کی مسموم فضا دیکھ کر یہ نقوش اور نمایاں ہو گئے۔ سرمایہ داری کے مہلک اثرات مشاہدہ کر کے مزدور کو یاد کرتے ہیں۔ مغربی تہذیب و تمدن اور اقتصاد و سیاست کو ہمدردی و ایثار اور باہمی محبت و امداد کے فقدان کے باعث بنی نوع انسان کے لیے مہلک و مضر خیال کرتے ہیں بلکہ ہوسناکی سے تعبیر کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:

تدبر کی فسوں کاری سے محکم ہو نہیں سکتا　　جہاں میں جس تمدن کی بنا سرمایہ داری ہے
وہ حکمت ناز ہے جس پر خردمندان مغرب کو　　ہوس کے پنجۂ خونی میں تیغ کارزاری ہے

جذبہ ملی اور وطنیت

اپنے خیالات کی پختہ کاری کے بعد اپنی شاعری کے آخری دور میں وطن کو روشن سمجھتے ہیں جس کی پرستش کرنا جائز قرار دیتے ہیں اور اُپنی ملت کو جغرافیائی حدود میں محصور نہیں دیکھنا چاہتے۔ انہیں تو رسول ہاشمی ﷺ کی ترکیب قوم پسند ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر　　خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار　　قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہوں　　ملک و دولت ہے فقط حفظ حرم کے واسطے
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا　　نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

تہذیب حاضر

اکبر الہ آبادی کی طرح تہذیب حاضر اور تمدن مغرب کی نظر فریب فضا کے مہلک اثرات سے متنبہ کرتے ہیں۔ اور جابجا اسلامی طرز و طریقہ کی ترغیب دیتے ہیں، بلکہ انہیں وثوق و یقین ہے کہ مستقبل قریب میں یہی اسلامی طریقہ مقبول خاص و عام ہوگا۔

تہذیب مغرب

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

حیات تازہ اپنے ساتھ لائی لذتیں کیا کیا
رقابت، خود فروشی، ناشکیبائی ہوسناکی

اسلام اس کی جامعیت اور ہمہ گیری جس کمال سے ہم آغوش ہے وہ انسانی فکر کے تخیل کا نتیجہ ہونے سے وراء الوراء ہے۔ اسی سبب سے اس کے اصول ہر ملک و قوم ہر جگہ اور ہر ماحول میں کامیاب رہتے ہیں۔ انہی اصول میں امن و صلح، مساوات و اخوت اور اتفاق و اتحاد کا راز مضمر ہے۔ چنانچہ اقبال اہل ملت کی معاشرتی، سیاسی، تمدنی، اقتصادی، دینوی اور اخروی فلاح صرف اسلام ہی کے زریں اصول پر منحصر خیال کرتے ہیں۔

ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہانگیری یہ سب کیا ہیں فقط اک نقطۂ ایماں کی تفسیریں
بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

صداقت جذبات اور یقین و توکل کا یہ عالم ہے کہ اہل ملک کی موجودہ غفلت شعاری سے قطعاً مایوس نہیں ہوتے بلکہ اسلام کے زریں اصول اور توحید و رسالت کے سچے عقائد کو دنیا میں ہر جگہ جلوہ گر دیکھنے کا یقین کامل رکھتے ہیں۔

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

(باقی)

گلِ رعنا
(از برج لال رعنا جگی)

اردو رباعیوں کا دل کش مجموعہ، جس کے متعلق حضرت جوش ملیح آبادی، حضرت جگر مراد آبادی، حضرت فراق گورکھپوری وغیرہ نے اچھے تاثرات کا اظہار کیا ہے۔
جگر مراد آبادی رعنا صاحب کو ایک فطری شاعر کہہ کر خطاب کرتے تھے۔

صفحات ۲۲۲ قیمت مجلد 65/-

ہفت تماشائے مرزا قتیل

اٹھارویں صدی عیسوی میں شمالی ہند کی تہذیبی سرگرمیاں، سیاسیات، شعروشاعری، مذہبی تحریکات اور سماجی رسوم کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے بے نظیر ذخیرہ۔
اصل کتاب مرزا محمد حسین قتیل کے قلم سے فارسی میں تھی ڈاکٹر محمد عمر استاذ شعبۂ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے اس کو اردو ترجمہ کر کے اردو داں حضرات کے لئے قابل استفادہ بنادیا ہے۔

قیمت مجلد -/90

ملنے کا پتہ: ندوۃ المصنفین، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶